تلخیص و تبصرہ

مولانا سندھی کے ساتھی ظفر حسن صاحب
کی
آپ بیتی کا دوسرا حصہ

"الرحیم" کے شمارہ بابت مارچ ۱۹۶۵ء میں جناب ظفر حسن صاحب ایبک کیپٹن آرٹلری (ریٹائرڈ) ترکش آرمی حال ساکن استنبول کی غیر معمولی تاریخی اہمیت کی کتاب اُن کی آپ بیتی حصہ اول پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ صاحب موصوف کی آپ بیتی کا حصہ دوم شائع ہوگیا ہے۔

پہلے حصے میں ظفر حسن صاحب نے اپنی آپ بیتی ۱۹۱۵ء سے شروع کی تھی، جب کہ انہوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران لاہور کے بعض کالجوں کے طالب علموں کے ساتھ اس غرض سے وطن کو الوداع کہی کہ وہ افغانستان کے راستے ترکی پہنچیں، اور وہاں ترکی افواج کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف لڑیں۔ اور اس طرح ایک طرف عالم اسلام کو انگریزی استعمار سے نجات ملے، اور دوسری طرف سرزمین پاک و ہند اُس کے چنگل سے نکل سکے۔

افغانستان پہنچتے ہی یہ طالب علم گرفتار کر لئے گئے۔ اور چار سال تک جب کہ امیر حبیب اللہ خاں قتل کر دیئے گئے، یہ نظر بند رہے۔ اور ان کی اس نظر بندی کی وجہ یہ تھی کہ ان طالب علموں کی ہجرت کے بعد پنجاب کے اُس وقت کے لیفٹیننٹ گورنر سر مائیکل اڈوائر

کا ایک بیان اخبارات میں چھپا تھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ اگر ان طالب علموں میں سے کوئی پکڑا گیا تو اُسے ہندوستان کی سرحد پر سب سے پہلے درخت پر لٹکا کر پھانسی دی جائے گی۔ اتفاق سے امیر حبیب اللہ خاں کے پرائیویٹ سیکرٹری کی نظر سے یہ بیان گزرا، اور اس نے برطانوی حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انہیں نظر بند کرنے کا حکم دے دیا۔ اور جب وہ ایک دفعہ نظر بند ہوگئے تو پھر کون ان کا پرسانِ حال ہوتا۔

اسی زمانے میں مولانا عبیداللہ سندھی بھی کابل پہنچے۔ مولانا کی کوششوں سے ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھیوں کی نظر بندی کی تکلیفیں کچھ کم ہوگئیں۔ اور ان کو کچھ آرام ملا۔ مولانا نے ان بہادر نوجوانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور وُہ انہیں اپنی سیاسی سرگرمیوں میں شریک کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ ظفر حسن صاحب مولانا کے خاص معتمد بن گئے، اور نہ صرف مولانا سے انہوں نے علوم دینیہ پڑھے، بلکہ وہ مولانا کے سیاسی رفیق اور دست راست کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

امیر حبیب اللہ خاں کے قتل کے بعد جب امیر امان اللہ خاں برسرِ اقتدار آئے، تو افغانستان نے جو اَب تک انگریزوں کے بالواسطہ ماتحت تھا۔ انگریزوں سے جنگ چھیڑ دی۔ اس جنگ میں ظفر حسن صاحب سپہ سالار سردار محمد نادر خاں کی جو بعد میں افغانستان کے فرمانروا بنے معیت میں تھے۔ نادر خاں نے ٹھل پر حملہ کر کے اُسے انگریزوں سے آزاد کرایا تھا اس معرکے میں ظفر حسن صاحب کی ریاضی کام آئی تھی۔ ان کی بتائی ہوئی پیمائش کے مطابق جب گولہ پھینکا گیا تو اُس سے قلعہ ٹھل کے گوداموں میں آگ لگ گئی اور قلعہ مسخر ہوگیا۔ بعد میں ظفر حسن صاحب کو دربارِ شاہی میں نادر خاں نے پیش کرتے ہوئے یہ کلمات کہے:۔

اس نوجوان کی عمر کم ہے، لیکن اس نے ایسی بہادری دکھائی ہے
کہ فوج کے بڑے بڑے اور تجربہ کار افسروں کو مات کر دیا ہے . . .

اس طرح ظفر حسن کے نادر خاں اور اُن کے خاندان سے تعلقات بڑھے۔ جو مولانا سندھی کی رفاقت کے بعد مصنف کے قیام کابل کا سب سے قابل ذکر اور یادگار

کارنامہ ہے۔

آخر ایک وقت آیا کہ مولانا سندھیؒ کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔ اور وہ اس لئے کہ حکومت افغانستان نے انگریزوں سے مفاہمت کر لی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی سرزمین پر انگریز دشمن سرگرمیاں جاری رہیں۔ ظفر حسن اگر چاہتے تو وہ بڑی عزت اور آرام سے کابل میں رہ سکتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے استاد و مرشد اور اپنے سیاسی قائد کا ساتھ دیا۔ اور وہ بعض اور نوجوانوں کے ساتھ کابل سے روس روانہ ہوگئے۔

مولانا سندھیؒ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کابل پہنچے تھے، اس سے چند ماہ پہلے مارچ ۱۹۱۵ء میں ظفر حسن صاحب اور ان کے ساتھی حدودِ افغانستان میں داخل ہوئے، پورے سات سال اس سرزمین میں گزارنے کے بعد ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو مولانا سندھی اور اُن کے ساتھ ظفر حسن اور ان کے رفقاء روسی علاقے میں پہنچے، اور یہاں سے زیرِ نظر کتاب کی روداد شروع ہوتی ہے۔

اُس زمانے میں بخارا اور تاشقند کی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ لکھتے ہیں:۔

"دن کے وقت ہم نے شہر کا ایک چکر لگایا۔ بازار میں دکانوں میں مال بالکل نہ تھا، دیہاتی ترکمن جو لمبے لمبے چوغے اور سر پر بڑے بڑے بالوں والی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے جن سے ان کی شکلیں بڑی ڈراونی سی معلوم ہوتی تھیں، کچھ کھانے پینے کی چیزیں بیچنے کے لئے بازار میں لائے ہوئے تھے۔ ان جگہوں پر بہت بھیڑ بھاڑ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے لوگ اپنی ضروریات زندگی کو انہیں دیہاتیوں کی لائی ہوئی چیزوں کو خرید کر پورا کرتے تھے۔ ہر طرف افراتفری معلوم ہوتی تھی۔ صفائی کا کوئی انتظام نہ تھا۔"

بخارا پر بالشویکی قبضے سے قبل امیر بخارا کی حکومت تھی، جس کی حیثیت زارِ روس کے دور میں ہندوستانی راجوں نوابوں کی سی تھی۔ انقلابیوں نے امیر کو نکال کر بخارا کو براہِ راست اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ ظفر حسن صاحب بخارا کی اس زبوں حالی سے بے حد متاثر ہوتے ہیں ان کا دل دُکھتا ہے، اور وہ لکھتے ہیں:۔

"بخارا جو ایک زمانے میں اسلامی تہذیب اور علم کا مرکز تھا، جہاں امام بخاری

جیسے جید علماء پیدا ہوئے تھے اور جہاں ابن سینا اور شیخ نقشبندی جیسے فلاسفر، حکیم اور صوفی رہ چکے تھے، آج کل ایک ویران سا قصبہ ہوگیا تھا۔ پرانے مدرسے اور مسجدیں خراب حالت میں پڑی ہوئی تھیں۔"

بخارا سے یہ قافلہ تاشقند پہنچتا ہے اس کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ ترکستانی غریب اور ان پڑھ ہیں اور روسی مہاجر جو زیادہ ترقی یافتہ ہیں وہاں کثرت سے آباد ہو رہے ہیں۔

ان دنوں تاشقند میں کمیونزم کی تعلیم دینے کے لئے ایک "مشرقی یونیورسٹی" تھی جس میں ہندوستان سے ہجرت کرکے افغانستان آئے ہوئے اور پھر وہاں کے حالات سے بد دل ہوکر روس پہنچے ہوئے بعض مسلمان نوجوان بھی تھے، جن کو ہندوستان میں کمیونسٹ انقلاب کرانے کے لئے تعلیم دی جا رہی تھی۔

مولانا سندھیؒ اولاً ایک عالم دین تھے ان کی سیاست کا تمام تر محور عالم اسلامی کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانا اور برصغیر کو اُن کے قبضے سے نجات دلانا تھا۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے وہ افغانستان بھیجے گئے تھے۔ اور اب جو وہ روس جا رہے تھے تو اُن کے پیش نظر یہی تھا کہ وہاں سے انگریزوں کے خلاف جدوجہد ہوسکے گی۔ غرض مولانا ایک سچے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قوم پرست اور محب وطن سیاسی رہنما تھے۔ بعینہٖ ظفر حسین صاحب کے بھی یہی معتقدات تھے، لیکن ان کا ایک ساتھی جس کا پہلا نام محمد علی اور بعد میں خوشی محمد تھا، کمیونسٹ بن چکا تھا۔ جب یہ قافلہ بخارا میں مقیم تھا تو ایک رات خوشی محمد نے مولانا سندھیؒ کو بتایا کہ اگر وہ روس میں کمیونسٹوں کی تائید نہیں کریں گے تو وہ بھوکے مریں گے۔ کیونکہ وہاں تو مذہبی پیشواؤں اور پابند مذہب لوگوں کے لئے رہنا بھی ممکن نہیں ہے۔

مولانا کو اس سے بڑا دکھ ہوا۔ مصنف لکھتے ہیں کہ مجھے قلق ہوا کہ ہمارے مرشد جنہوں نے ہمیں دینی اور دنیوی تعلیم و تربیت دی تھی، آج بے مائگی کی وجہ سے ایسے شخص کے محتاج ہوگئے ہیں، جس نے اُن کے سارے احسانات کو پس پشت ڈال کر اب ان پر

حکم چلانے کا ارادہ کرلیا ہے۔

ظفر حسن صاحب کا ایک صندوق جس میں ان کے گرم کپڑے تھے، روسی سرحد پر چوری ہوگیا تھا۔ اور وہ سخت تکلیف میں تھے۔ اُن کے پاس بس باون ۵۲ سونے کے انگریزی پونڈ رہ گئے تھے، جو اُنہوں نے کابل میں نوکری میں کمائے تھے۔ ظفر حسن صاحب نے اپنی یہ پونجی مولانا کی نذر کی۔ اور کہا کہ آپ اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔

مولانا سے ظفر حسن صاحب کی عقیدت، خلوص اور ان کے لئے سب کچھ نثار کرنے کی یہ ایک مثال نہیں۔ کابل، اس کے بعد روس اور پھر ترکی میں ظفر حسن صاحب نے مولانا کے آرام اور خوشی کے لئے ہر تکلیف برداشت کی، اور اس پر اُن کو فخر ہے۔ اور وہ اُسے اپنے لئے ایک سعادت سمجھتے ہیں۔

دریائے آمو کو پار کرکے جو افغانستان اور سوویت یونین کی حد فاصل ہے، یہ لوگ کرشی (قرشی) پہنچے تھے، وہاں سے ریل گاڑی لی، اور یہ بخارا گئے۔ مصنف لکھتے ہیں۔

"کرشی سے لے کر ماسکو تک ہم ہندوستانی انقلابی ہونے کی وجہ سے روسی گورنمنٹ کے مہمان مانے گئے تھے۔ ہم کو سیکنڈ کلاس کا ٹکٹ دیا گیا تھا۔"

ماسکو میں اس وقت جو ہندوستانی موجود تھے، آپ بیتی میں اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن کی طرح مصنف کو بھی ماسکو یونیورسٹی میں داخل ہونا پڑا۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:۔

"..... قبلہ مولانا نے مجھے حکم دیا کہ میں یونیورسٹی میں داخل ہو جاؤں۔ اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ میرے ذریعہ کمیونسٹوں کے اصولِ تعلیم اور کمیونزم کے بنیادی عقائد کا پتہ لگائیں تاکہ آزاد ہندوستان میں ایسا نظام قائم کرسکیں جو کمیونزم کا توڑ ہو اور ہندوستان کے عوام اس نظام سے ایسے خوشحال بنیں کہ کمیونزم کے پروپیگنڈے پر کان نہ دے دیں اور اس کے پھندے میں نہ پھنسیں اس کے علاوہ ان کا یہ مقصد بھی تھا کہ کمیونزم جو مذہب کا دشمن ہے اس سے ہندوستان میں اپنے مذہب کو بچانے کے لئے

کچھ تدبیریں سوچیں ۔ نیز اس بارے میں بھی اپنی واقفیت بڑھائیں کہ کیونسٹوں سے انگریزی سامراج کو نیست ونابود کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے میں مدد لینے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے ۔"

مولانا سندھی تو روسی حکومت کے مہمان تھے ، وہ تو ہوٹل میں مقیم رہے، لیکن ظفر حسین صاحب کو یونیورسٹی کے بورڈنگ ہاؤس میں بھیج دیا گیا ، اور وہ باقاعدہ کمیونزم کی تعلیم پانے لگے ۔ اس زمانے میں بھی موصوف برابر نماز پڑھتے رہے ۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں : ۔" ماسکو یونیورسٹی میں تو نماز روزے کا نام لینا بھی ممکن نہ تھا ۔ میں بڑی مشکل سے چارپائی پر لیٹ کر اور سر کے اشارے سے نماز ادا کیا کرتا تھا ۔ اور کبھی کبھار اگر موقع مل جائے تو فضل الٰہی قربان سے جس کو یونیورسٹی کے بورڈنگ ہاؤس میں ایک چھوٹا سا کمرہ علیحدہ ملا ہوا تھا ، اجازت لے کر نماز پڑھ لیا کرتا تھا ۔" ظفر حسن صاحب نے قربان صاحب کی اس " جرأت " اور " احسان " کا بڑی ممنونیت سے ذکر کیا ہے ۔

ماسکو سے ایک دفعہ مصنف اور اُن کے ساتھی لینن گراڈ گئے ۔ مولانا سندھی بھی ان کے ساتھ گئے ۔ روسی حکومت نے خبر بھیج دی کہ مولانا سرکاری مہمان خانے کی بجائے مصنف کے الفاظ میں " روسی مسلمانوں کے مذہبی لیڈر موسیٰ جار اللہ صاحب کے گھر مہمان ہوں گے ۔ موسیٰ جار اللہ صاحب ایک بڑے جید عالم اور خدا پرست سیاسی لیڈر تھے جن کی قدر و منزلت نہ صرف روسی مسلمانوں کی نظروں میں بہت زیادہ تھی ، بلکہ سارا عالمِ اسلام (اُنہیں) جانتا تھا . . . "

ظفر حسن لکھتے ہیں کہ " لینن گراڈ میں مُوسیٰ جار اللہ صاحب کے گھر رہتے ہوئے مجھے بالکل آزادی سے نماز پڑھنا نصیب ہوئی ۔"

مصنف ہر روز ماسکو یونیورسٹی میں کمیونسٹ استادوں سے کمیونزم پر لیکچر سنتے تھے ، وہ بورڈنگ ہاؤس میں کیونسٹ طالب علموں کے ساتھ رہتے تھے ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُن کے الفاظ میں " میں ہر روز شام کے وقت یونیورسٹی کے لیکچر ختم ہونے پر ہوٹل لوکس میں جا کر اس روز پڑھے ہوئے سبقوں کا خلاصہ قبلہ مولانا صاحب

کو سنایا کرتا تھا، جس سے ان کو کمیونسٹ نظریوں، کمیونسٹ اصولِ حکومت، لیبر مومنٹ اور کمیونسٹ انٹرنیشنل یعنی تھرڈ انٹرنیشنل جس کو مختصراً کومینٹرن کہا جاتا تھا، کے بارے میں آہستہ آہستہ کافی سے زیادہ معلومات حاصل ہوگئی تھیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس سلسلے میں کمیونسٹ تعلیم کے وہ پہلو جو اسلامی احکام اور عقائد کے خلاف تھے، وہ بھی قبلہ مولانا صاحب پر واضح ہوگئے تھے ۔ میرے دل میں اس مضر تعلیم کی وجہ سے اسلام کے بارے میں شک وشبہ اور ذہنی تشویش پیدا ہوسکتی تھی، میں اس کو قبلہ مولانا صاحب کی خدمت میں عرض کرکے ان سے اس کا شافی اور اطمینان بخش جواب اور صورتحال پوچھ لیا کرتا تھا اس لئے خداوند کریم کے فضل سے میرے ایمان میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا"

اس سلسلے میں ظفر حسن صاحب نے مذہب پر کمیونزم کے بعض اعتراضات اور مولاناؒ نے اُن کو جس طرح رفع کیا، اُس کی مثالیں دی ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :۔

اس مقولہ (مذہب لوگوں کے لئے افیون ہے) کو روسیوں نے ماسکو کے سُرخ میدان میں ایک نمایاں جگہ پر کندہ کرادیا ہے ۔ اس سے اُن کی مراد یہ ہے کہ مذہبی عقیدے لوگوں پر ایسی غشی طاری کر دیتے ہیں کہ وہ غاصبوں سے اپنے حقوق طلب کرنے کے قابل نہیں رہتے ۔ مذہب ذاتی ملکیت کو جائز قرار دینے کی وجہ سے (کارل مارکس کے نظریہ کے مطابق) مالداروں کی حمایت کرتا ہے ۔ اور اُن کے مال پر غریبوں اور ناداروں کو دست درازی کرنے سے روکتا ہے ۔ اور اس طرح ان لوگوں کو اپنے حقوق طلب کرنے سے منع کرتا ہے ۔ قبلہ مولانا صاحبؒ نے اس زہریلے نظریے کو رد کرتے ہوئے ہمیں بتایا کہ اسلامی قانون وراثت، دولت کو صرف چند ایک لوگوں کے ہاتھ میں جمع ہونے نہیں دیتا ۔ زکوٰۃ مالداروں پر ایک ایسا ٹیکس ہے کہ اس کے ذریعہ سوسائٹی کے محتاجوں کو مدد دی جاتی ہے ۔

(مسلسل)